رمضان: چندہ خوروں اور سہولت کاروں کیلئے رحمت کا مہینہ

تحریر: سہیل احمد لون

ماہ رمضان میں زندگی گزارنے کا ڈھنگ بدل سا جاتا ہے۔ دن میں اجالا اور رات میں تاریکی تو رہتی ہے مگر اس میں سونے، جاگنے کا عمل یکسر بدل جاتا ہے۔ کھانے، پینے اور کام کرنے کے اوقات میں نمایاں فرق آ جاتا ہے۔ رمضان میں مساجد میں رونق دیکھ کر ایسا لگنا شروع ہو جاتا ہے کہ مساجد کی تعداد ضرورت سے زیادہ نہیں۔ شادی بیاہ کی تقریبات کم ہو جاتی ہیں مگر ان کی جگہ افطار پارٹیاں لے لیتی ہیں۔ بازاروں میں عید کے لیے خصوصی خریداری کارش دیکھنے میں آتا ہے۔ کچھ لوگوں کا کام رمضان سے متاثر بھی ہوتا ہے مگر بعض کاموں میں یہ عروج کا سیزن سمجھا جاتا ہے۔ رمضان میں جہاں نماز، قران پڑھنے پر بڑا زور دیا جاتا ہے وہاں خیرات، زکوۃ اور صدقات میں بھی لوگ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے نظر آتے ہیں۔ خیرات، صدقات زکوۃ صرف اسلام میں ہی نہیں بلکہ دنیا کا ہر مذہب اس پر یقین رکھتا ہے بس ہر مذہب میں اس کا نام علیحدہ ہے۔ انسانیت کی خدمت کرنے کے لیے دنیا میں بہت سی چیریٹی آرگنائیزیشن، این جی اوز وغیرہ کام کر رہی ہیں۔ اس میں اقوام متحدہ کا نام سب سے قابل ذکر ہے۔ ہر دور میں انسانیت کی بے لوث خدمت کرنے والے لوگ اس دنیا میں اپنا کردار ادا کرتے رہے۔ حاتم طائی کا نام لیتے ہی ذہن میں ایک ایسے شخص کا تصور ذہن میں ابھرتا ہے جو اللہ کا دیا ہوا اللہ کی مخلوق پر کھلے دل سے خرچ کرتا تھا۔ کرسمس کے دنوں میں آج بھی لوگ سانتا کلاز کا روپ دھار کر بچوں میں تحائف تقسیم کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ رمضان میں چندہ، زکوۃ، خیرات، صدقات لینے والی تنظیمیں بہت زیادہ متحرک نظر آتی ہیں۔ کسی زمانے میں پاکستان میں چند ایسی تنظیمیں تھیں مگر اب ہر محلے میں کوئی نہ کوئی چیریٹی تنظیم دکھائی دیتی ہے۔ دین اسلام میں اگر 72 فرقوں کی پیش گوئی نہ ہوتی تو آج وہ بھی سینکڑوں ہو جانے تھے۔ ان تنظیموں کا دائرہ کار پاکستان میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے باقی ممالک میں بھی روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ بدقسمتی سے انسانیت کی خدمت کے نام پر یہ ایسا منافع بخش کاروبار بنتا جا رہا ہے جس میں منافع تو ہے مگر نقصان نہیں۔ انسان کوئی بھی کام کرے اس میں کبھی نا کبھی زوال یا ریٹائرمنٹ کا دن آ ہی جاتا ہے۔ پھر اس کی کمائی، شہرت، عزت اور طاقت کا گراف بھی کم ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ گزشتہ دو دہائیوں میں بہت سے افراد انسانیت کی خدمت کا علم ہاتھ میں تھام کر چیئرٹی کا کام کرتے نظر آئے۔ ان میں مدرسے، ملاں، پیر، کھلاڑی، فنکار، گلوکار، شعراء، شاعرات، ادیب الغرض ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے لوگ ملیں گے۔ دنیا میں چیرٹی اور انسانیت کی خدمت کے حوالے سے اپنی پہچان کروانے والے سب سے معتبر نام جناب عبدالستار ایدھی مرحوم کا ہے۔ اگر ان کا حلیہ، رہن سہن، لباس، اور عاجزی دیکھی جائے تو اس بات کا جواب مل جاتا تھا کہ وہ دنیا کے چند خوش نصیب لوگوں میں سے ایک تھے جن کو لوگ خود چندہ، عطیات، صدقات اور خیرات کی رقوم دیتے، جبکہ باقی فلاحی اداروں کو چندہ مانگنا پڑتا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ جناب عبدالستار ایدھی مرحوم نے اپنے گھر سے اس کا آغاز کیا اور اپنی جمع پونجی اس کار خیر میں لگا دی۔ عمران خان عبدالستار ایدھی کے بعد دوسرے ایسے شخص ہیں جن کو پاکستان سمیت بیرون ممالک سے عطیات، چندہ، صدقات اور خیرات لوگ یقین سے دیتے ہیں کہ یہ مستحق افراد تک پہنچے گی۔ عمران خان

کے رہن سہن میں وہ سادگی یا عاجزی کا عنصر نہیں جو عبدالستار ایدھی میں ہے مگر شوکت خانم ٹرسٹ ہسپتال بنانے کا جنون لوگوں کو متاثر کر گیا، انکا یہ تجربہ وزیر اعظم بن کر وناوائرس میں کام آرہا ہے جس کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ بڑی بڑی تجارتی کمپنیوں کے علاوہ ایدھی ویلفیر سے بھی چندہ لے لیا۔اب کچھ ایسا لگ رہا ہے جیسے لوگ پہلے کام کر کے اپنا نام بنا لیتے ہیں پھر اس نام کے بل بوتے پر فلاحی ادارے کھول کر انسانیت کی خدمت کرنے کے خواہش مند بن جاتے ہیں۔ ابرالحق نے بھی ایک فلاحی ادارہ بنالیا، چندہ مہم شروع کی نارووال میں ہسپتال بنا لیا، اب وہ جہاں بھی جاتے ہیں سیاست، موسیقی اور چندہ ساتھ ساتھ چل رہا ہوتا ہے۔ شہزاد رائے بھی فلاحی کام کے لیے فنڈ ریزنگ کرتے نظر آتے ہیں ان کا ٹارگٹ ایجوکیشن ہے۔ جواد احمد بھی اپنے طور فلاحی کاموں میں سرگرم ہیں۔ وسیم اکرم ذیابیطس کے لیے چندہ لیتے مختلف مقامات پر دکھائی دیتے ہیں۔ جنید جمشید مرحوم نے تو اس کام کے لیے اپنا آپ ہی وقف کر دیا تھا۔ جناب فرحت عباس شاہ بھی فرض فاؤنڈیشن کے سی او ہیں انہوں اپنے تمام اثاثے بیچ کر اس کام میں لگا کر فرض فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی جس کا مقصد لوگوں کو منگتا بنانا نہیں بلکہ مائکروفنانس کے ذریعے انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا کرنا ہے۔ امجد اسلام امجد، پروفیسر محمد انور مسعود صاحب بھی انسانیت کی خدمت کے لیے میدان میں نکل آئے ہیں۔ میڈیا کا دور ہے تو بھلا اس کام میں میڈیا خاص طور پر آج کے ہیرو کا درجہ رکھنے والے اینکرز صاحبان بھی فلاحی تنظیموں کی نمائندگی کرتے دکھائی دے رہے ہیں۔ طلعت حسین اور کاشف عباسی نے پاکستان میں سیلاب کے دوران کوریج کے ساتھ سیلاب زندگان کے لیے فنڈ ریزنگ بھی کر چکے ہیں۔ جس کے بعد طلعت حسین نے باقاعدہ سچ فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھ دی۔ اگر فنکار، گلوکار، کھلاڑی اور اینکر پرسن اٹھ کر فلاحی تنظیموں کے بیڑے کے ملاح بن سکتے ہیں تو ہمارے مذہبی رہنماؤں کو تو اس بات کا لائسنس حاصل ہے۔ جناب طاہر القادری کی منہاج فاؤنڈیشن بھی دنیا کے کافی ممالک میں اپنی خدمات انجام دیتی نظر آتی ہے۔ جماعت اسلامی تو اس کام میں سینئر ترین ہے، اگر سیاسی جماعتوں نے یہ کام کرنا ہے تو ایم کیو ایم کو اپنے حلقوں سے چندہ لینے سے کون روک سکتا ہے؟ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے دور میں چندہ لینے کے لیے بھی جدید سہولیات سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

سعودی عرب کے بعد برطانیہ ایسا ملک ہے جہاں پر پاکستانی تارکین وطن کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔ اسی لیے یہاں پر فلاحی یا چندہ لینے والے ادارے بہت زیادہ ہیں۔ برطانیہ میں شاید ہی کوئی مہینہ ایسا گزرتا ہے جب یہاں پر کوئی پاکستان سے فلاحی ادارے کے لیے چندہ اکٹھا کرنے نہ آتا ہو۔ برطانیہ میں اس وقت درجن سے زائد ٹی وی چینلز ایسے ہیں جہاں اردو میں خبروں اور انٹرٹینمنٹ کے پروگرام نشر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ چند آن لائن چینلز بھی ہیں۔ ان میں زیادہ تر نجی ٹی وی چینلز ہیں جن میں سیکنڈ کے حساب سے کسٹمرز کو چارج کیا جاتا ہے۔ اکثر ان چینلز پر چندہ لینے کے لیے بھی فلاحی اداروں کے نمائندگان گھنٹوں بیٹھ کر اپیل کرتے ہیں۔ ان میں کھلاڑی، گلوکار، فنکار، شاعر، ادیب، مذہبی رہنماء سمیت تمام لوگ شامل ہیں۔ چندہ اکٹھا کیا جاتا ہے مگر اس کا حساب کسی کو نہیں دیا جاتا۔ عام تاثر یہ ہے کہ ٹی وی چینلز کے مالکان اور فلاحی ادارے کا نمائندہ اس میں سے 80% آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں باقی 20% کا بھی یہ نہیں پتہ چلتا کہ واقعی ہی مستحق تک پہنچی ہے یا...... انا ونڈے شیرینی مڑ مڑ اپنے آں نوں......! ان چینلز کے علاوہ اب برطانیہ میں چودہ ٹی وی چینلز ایسے ہیں جو مذہبی پروگرام کی نشریات کے حوالے سے مقبول ہیں۔ ان میں سے اکثر و بیشتر چینلز یا تو کسی فلاحی ادارے کی ملکیت ہیں یا پھر کسی چندے کی

بنیادوں پر چلائے جار ہے ہیں۔رمضان میں ان پر صدقات،زکوۃ،خیرات،اور امداد مانگنے کا عمل عروج پر ہو جاتا ہے۔برطانیہ میں چندہ لینے کے لیے فلاحی اداروں کی رجسٹریشن بھی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے۔جس کا اندازہ اسی بات سے لگایا جاسکتا ہے اس وقت برطانیہ میں رجسٹرڈ مسلم چیریٹیز کی تعداد تقریباً 1100 ہے۔جن میں اکثریت پاکستانیوں کی ہے۔باقی بہت سی فلاحی تنظیمیں بغیر رجسٹریشن کے ہی اپنا کام چلا رہی ہیں۔

خیرات،زکوۃ،عطیات اور صدقات دیتے وقت اس بات کا اطمینان کرلینا بھی فرض ہوتا ہے کہ وہ صحیح بندے کو دی جارہی ہے۔فلاحی اداروں کا چیک اینڈ بیلنس مانیٹر ہونا چاہیے۔سیلاب،زلزلے اور دیگر قدرتی آفات میں ملنے والی امداد اگر صحیح اور دیانتداری سے مستحق پر خرچ کی جاتی تو متاثرین آج تک بے یارومددگار نہ بیٹھے ہوتے۔جرمنی عالمی جنگ کے بعد کھنڈرات بن گیا تھا مگر جرمن قوم نے اپنی مدد آپ کے تحت چالیس برس میں دنیا کی ان ممالک میں شامل ہوگیا جن کی معاشی حالت بہتر تھی۔جاپان نے بھی خود انحصاری والے فارمولے پر عمل پیرا ہو کر دنیا میں مضبوط معیشت والے ملکوں میں شامل ہوگیا۔گزشتہ سونامی میں انہوں نے کسی قسم کی بیرونی امداد لینے سے انکار کر دیا۔ویسے بھی لینے والے دینے والے سے بہتر نہیں ہو سکتے مگر پھر بھی 72 برس گزر جانے کے بعد بھی ہم آج تک امداد اور قرضوں کے بھنور سے باہر نہیں نکل سکے۔جدید دور میں اب مانگنے کے طریقے بدلتے جار ہے ہیں اس میں اب معاشرے کے ہر طبقے کی نمائندگی ہو رہی ہے۔فلاحی اداروں کا تیزی سے بڑھتا ہوا رجحان کیا واقعی ہی انسانیت کی خدمت کرنا ہے یا یہ ایک مکروہ کاروبار ہے جسے ایک مافیا چلا رہی ہے۔جو چندہ بھی مانگتے ہیں اور اس کے بل بوتے پر شاہانہ زندگی گزارنے کے علاوہ ملکی سیاست میں بھی سرگرم نظر آتے ہیں۔اب سیاست اور فلاحی کام اکٹھے کرنے سے انسان ویسے ہی مشکوک ہو جاتا ہے۔کیونکہ جن کا نظام درست کرنے کا دعوی ہو وہ بھیک نہیں مانگتے اور بھیک مانگنے والے کبھی بھی کسی نظام کی درستگی کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے کیونکہ جو شخص اپنے زندہ رہنے کے اسباب لوگوں سے مانگتا ہے وہ انسانوں کے کسی بڑے گروہ کی قیادت کرنے کے اہل کیسے ہوسکتا ہے۔مانگنے کی عادت دراصل فلسفہ خودی کے خلاف ہے لیکن یہاں لوگ اقبال کے اشعار پڑھ کر بھیک مانگتے ہیں اور پسند کرتے ہیں کہ انہیں مردمومن کا جانشین سمجھا جائے۔

اس مرتبہ مسیحی برادری کا ایسٹر کرونا کی وحشت گردی کا شکار ہوگیا اور اب رمضان المبارک کی رونقوں اور اجتماعی عبادات کو بھی متاثر کرے گا مگر وطن عزیز میں ملاں حضرات مذہبی کارڈ اس انداز سے کھیلتے ہیں کہ جذباتی عوام کرونا وائرس بھول کر انکے ''سیزن'' کو متاثر ہونے سے بچانے کے لیے انکی ضرور ماننا شروع کردیں گے۔مذہبی،سیاسی اور سماجی رہنماؤں کو ایسے موقع پر حقیقت پسندی کا ثبوت دیکر رضاکارانہ طور پر مستحقین کو گھروں میں مفت راشن پہنچانے کا ذمہ لینا چاہئے تاکہ سفید پوش روزے رکھ سکیں۔مولانا فضل الرحمٰن نے تو گھر تراویح پڑھنے کا اعلان کر دیا ہے،کاش دیگر علماء بھی حالات کی سنگینی کو سمجھتے ہوئے عوام سے گھروں میں رہ کر نمازیں اور تراویح پڑھنے کی درخواست کریں اس سے ہوسکتا ہے انکی ''آمدنی''میں کچھ فرق آئے مگر جان ہے تو جہاں ہے،عوام سلامت رہے گی تو رمضان،عیدیں اور شب برات تو آتی ہی رہے گی۔

سہیل احمد لون

سربٹن۔سرے

sohailloun@gmail.com

20-4-2020